# ڈاکٹر فرزانہ باری

## کارکن انسانی حقوق

**مکرر ارشاد**

''...ان نادیدہ حدود و قیود یا 'گلاس سیلنگ' کو توڑنا ہو گا جو خواتین کو اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔

**خواتین کے لئے مواقع، انتخاب اور استعداد کے اعتبار سے خاطر خواہ بہتری کے باوجود خواتین کے صنفی ترقی انڈکس (جی ڈی آئی) پر پاکستان کا شمار آج بھی دنیا میں سب سے پیچھے رہ جانے والے ملکوں میں ہوتا ہے۔ اس پر قابو پانے کے لئے کن ڈھانچہ جاتی تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟**

پاکستان ایک بڑا ملک ہے جسے ایک بڑی آبادی کی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں۔ اس آبادی میں معاشرے کا ایک طبقہ ایسا ہے جسے سالہا سال سے مواقع بھی مل رہے ہیں اور اسے گنجائش بھی میسر ہے جس میں بالائی متوسط طبقے کی تعلیم یافتہ خواتین خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے کئی کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ تاہم ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ لازمی طور پر دیہی علاقوں میں مقیم ہے اور ان علاقوں میں کوئی بہتری دیکھنے کو نہیں ملتی۔ دیہی اور پسماندہ علاقوں میں غربت، بیروزگاری وغیرہ کی بڑھتی سطح کے باعث ان علاقوں کی پوری آبادی متاثر ہو رہی ہے۔ تاہم سب سے زیادہ مشکلات خواتین کے حصے میں آتی ہیں کیونکہ وہ سماجی لحاظ سے کمزور اور غیر محفوظ ہیں۔ یہاں تک کہ خواتین تعلیم، صحت، پینے کے صاف پانی وغیرہ جیسی بنیادی ضروری سہولیات تک رسائی کے معاملے میں بھی پیچھے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ خواتین کی مجموعی فلاح متاثر ہو رہی ہے جس کا اثر ملک میں خواتین کی مجموعی ترقی کے کمزور اشاریوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

صنفی ترقی انڈکس کو بہتر بنانے کے لئے سب سے اہم ڈھانچہ جاتی تبدیلی ریاست کی عوام حامی سوچ ہے جسے اپنی یہ سماجی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے کہ شہریوں کو ضروری سہولیات، خدمات اور سلامتی فراہم کرے۔ جب تک ریاست یہ ضروری ذمہ داریاں پوری نہیں کرتی سماجی و معاشی ترقی کے اشاریوں میں بہتری نہیں آ سکتی۔ یہاں اصل سوال اس بات کو یقینی بنانے کا ہے کہ ریاست اپنا کام پورا کرے؟ یہاں فعال شہریت اور عوامی احتساب کی بات آ جاتی ہے۔ ہر سطح پر لوگوں کو اس قابل ہونا چاہئے کہ اپنی حکومت کا احتساب کر سکیں۔ اداروں پر عوامی دباؤ انہیں عمل پر مجبور کرتا ہے۔ تاہم پاکستان میں لوگوں کی فعالی بہت کمزور ہے۔ ملک میں کچھ این جی اوز ہی فعال نظر آتی ہیں جن میں سے بیشتر شہری علاقوں میں کام کر رہی ہیں۔ مزدور تحریکیں کمزور ہو چکی ہیں اور دو فیصد سے بھی کم مزدور کسی یونین کا حصہ ہیں۔ پاکستان میں لوگوں کی اکثریت ''گرے اکانومی'' یعنی غیر رسمی معیشت میں کام کر رہی ہے اور غیر رسمی شعبے کی 70 فیصد افرادی قوت خواتین پر مشتمل ہے۔ تاہم ان کے کام کرنے کے حالات دیکھ کر ایسا کوئی شائبہ نہیں ملتا کہ انہیں مزدور حقوق میسر ہیں۔ لہٰذا تجارتی یونین سرگرمیاں اور مزدور حقوق کی حالت یقیناً وقت کے ساتھ بگڑتی جا رہی ہے۔ اسی طرح مزدور تحریکوں کے کارکن بھی انتشار کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ ریاستی اداروں نے اپنی ذمہ داریوں اور شہریوں کے سامنے جوابدہی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ ایک خلاف قیاس بات یہ ہے کہ ایک سطح پر پاکستانی ریاست بہت مضبوط ہے اور اپنی دفاعی صلاحیت اور معاشرے میں مخالفانہ آوازوں کو دبانے کے ظالمانہ اقدامات کے اعتبار سے خاصی طاقتور ہے جبکہ دوسری جانب اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرنے اور لوگوں کی طرف سے بھرپور حمایت نہ ملنے کے باعث یہ نازک بھی ہے۔

**آپ کی رائے میں کیا موجودہ پالیسیاں اور قومی فریم ورک خواتین کو خاطر خواہ حد تک بااختیار بنانے کا کام دیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان پالیسیوں پر عملدرآمد میں کون سی رکاوٹیں درپیش ہیں اور اگر نہیں تو کن اقدامات کی ضرورت ہے؟**

اگر ہم بااختیار بنانے کے فریم ورکس اور ریاست کے آئینی حقوق پر نظر دوڑائیں تو یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں 100 فیصد کام نہیں ہوا۔ ملک کے قانونی فریم ورک میں امتیازی دفعات آج بھی موجود ہیں مثلاً حدود آرڈیننس، قانون شہادت یا شہریت ایکٹ وغیرہ۔ پاکستان انسانی حقوق کے 27 بین الاقوامی کنونشنز پر دستخط کر چکا ہے۔ تاہم مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آپ انتہائی اعلیٰ سطح کے ان قانونی معیارات کو انتہائی پسماندہ معاشرے پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ابھی انسانی حقوق کے ان اعلیٰ معیارات کو جذب کرنے یا ان کے ہم پلہ آنے کے لئے پوری طرح تیار نہیں ہے۔ ریاست چونکہ پورے ملک میں ان قوانین کے نفاذ کے قابل نہیں ہے اس لئے نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان بھر میں جاگیردارانہ، قبائلی اور بوسیدہ سماجی اقدار پر مبنی انصاف کے متوازی نظام کام کر رہے ہیں۔ یہ ثقافتی اور قبائلی فریم ورکس پاکستان کے آئین یا بین الاقوامی کنونشنز میں طے کئے گئے عالمی معیارات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یہی فرق قوانین پر عملدرآمد اور ان کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ لہٰذا، سب سے پہلے، ریاست پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مقامی ثقافت یا روایت سے قطع نظر پورے ملک میں انسانی حقوق کے یکساں معیارات نافذ کرے۔

دوسرا، ریاستی ادارے صنفی حقوق دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ خواتین کو بااختیار بنانے کی پالیسیوں پر عملدرآمد کے لئے استعداد اور وسائل کی کمی کا شکار ہیں۔ جب تک موزوں استعداد فراہم نہیں کی جاتی تمام تر عمل میں یہ چھوٹے چھوٹے شگاف رہ جائیں گے جو غیر موزوں منصوبہ سازی سے شروع ہوتے ہیں جس کی وجہ سے صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ منصوبہ سازی، پروگرام سازی، بجٹ سازی اور دیگر عوامل کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے، اور انجام دہی اور عملدرآمد تک اپنا اثر دکھاتے ہیں جس میں خواتین عملہ کی کمی کے باعث ملک میں خواتین کی بڑی تعداد کی ضروریات پوری نہیں ہو پاتیں۔ اور آخر میں یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ اس تمام تر عمل پر سرمایہ کاری کی ضرورت ہے اور ہمارے ہاں یہ عنصر بھی غائب ہے۔

**قانون ساز اداروں (پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں) میں جہاں خواتین کی نمائندگی خاطر خواہ حد تک بہتر ہوئی ہے وہیں طرز حکمرانی کے دیگر اداروں مثلاً عدلیہ، پولیس اور سول سروس وغیرہ میں وہ آج بھی نمائندگی کی کمی کا شکار ہیں۔ آپ کی رائے میں اس تضاد کا سبب کیا ہے اور اس سلسلے میں کن اقدامات کی ضرورت ہے؟**

مقننہ میں خواتین کی نمائندگی اس لئے بڑھ گئی ہے کہ نشستوں کے کوٹہ مختص کر دیئے گئے ہیں۔ صنفی کوٹہ سے قبل پارلیمنٹ میں خواتین کی نمائندگی تین فیصد سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی تھی۔ جہاں تک دیگر ریاستی اداروں کا تعلق

ہے تو اس حقیقت کے باوجود کہ پاکستان میں مردوں کے مقابلے میں خواتین زیادہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں، انہیں سرکاری اور نجی شعبے کے اداروں میں عمودی اور افقی خطوط پر الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ سرکاری شعبے میں خواتین کے لئے 10 فیصد کوٹہ مخصوص ہے لیکن یہ یا تو پُر نہیں کیا جاتا یا پھر خواتین کو نچلی سطح پر ملازم رکھا جاتا ہے۔ ایک لازمی تعداد کی حد تک خواتین معاشرے میں موجود ہیں۔ تعلیم کی اعلیٰ سطح پر صنفی خلاء تقریباً دور ہو گیا ہے تاہم لیبر مارکیٹوں میں سماجی اقدار اور صنفی تعصبات کے باعث ان کے لئے مواقع میسر نہیں ہیں۔ نظر نہ آنے والی ان حدود و قیود یا 'گلاس سیلنگ' کو توڑنا ہوگا جو خواتین کو اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ لہٰذا تمام پیشوں اور شعبوں میں اور تمام سطحوں پر کوٹہ نظام متعارف کرانے کی ضرورت ہے تاکہ خواتین مواقع تک رسائی حاصل کر سکیں۔

**پاکستان میں ایک طرف معاشیات، سیاسیات اور قانون اور دوسری جانب ثقافت، پدرشاہی نظام اور مذہب کا آپس کا میل جول ایسی منفرد مشکلات پیدا کر دیتا ہے جن کے ہاتھوں اس راہ پر قدم رکھنا کانٹوں پر چلنے کے مترادف ہو جاتا ہے۔ آپس میں جڑے ان محرکین کو کس طرح پہلو بہ پہلو رکھا جائے کہ خواتین کے ساتھ سلوک کے اعتبار سے ایک یکساں سوچ سامنے آسکے؟**

اس تقسیم کو دور کیا جا سکتا ہے کیونکہ پدرشاہی نظام کی مختلف شکلوں کو ریاست نے جرم کی حیثیت دے دی ہے۔ مثال کے طور پر بچپن کی شادیاں اور گھریلو بدسلوکی، اگرچہ معاشرے میں عام سی بات ہیں لیکن ریاست انہیں قابل سزا جرم قرار دے چکی ہے۔ لہٰذا، یہاں بھی عملدرآمد کا مسئلہ آجاتا ہے۔ جب تک ریاست اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ریاستی قوانین کا نفاذ نہیں کرتے اور مجرموں کو سزا نہیں دیتے یہ پدرشاہی، جاگیردارانہ، ثقافتی اور دیگر بوسیدہ روایات اور مروجہ طریقے اسی طرح پھلتے پھولتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ریاست اگر کوئی دلیرانہ، ٹھوس مثال قائم کر دیتی ہے تو رویوں میں تبدیلی لانے کے لئے اسی پر بس نہیں ہونی چاہئے۔ ریاستی قوانین کو کسی بھی دوسرے مروجہ طریقے پر ترجیح دینا ہوگی۔

**پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد میں صنفی پہلوؤں کو معیشت کے تمام شعبوں میں ضم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ کی رائے میں اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر ملکوں میں کون سے ایسے دیرپا عملی ماڈل ملتے ہیں جنہیں پاکستان میں اپنایا جا سکے؟**

صنفی برابری ایک بنیادی حق تو ہے لیکن یہ ترقی کا لازمی تقاضا بھی ہے۔ صنفی برابری براہ راست ترقی کے تمام دیگر مقاصد کے ساتھ جڑی ہے۔ لہٰذا، صنفی برابری سمجھداری پر مبنی معاشیات یا ''سمارٹ اکنامکس'' بھی ہے کیونکہ خواتین پر سرمایہ کاری کرنے سے پائیدار ترقی کے تمام مقاصد اور قومی سطح پر اپنائے گئے اہداف کے حصول میں بھی فائدہ پہنچے گا۔ ترقی کے میدان سکینڈے نیویا کے ممالک سب سے آگے ہیں اور اس کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے صنفی برابری کو اپنے قومی ایجنڈا میں ترجیحی حیثیت دے رکھی ہے۔ یہ ممالک اپنی خواتین کو سماجی معاونت بھی فراہم کرتے ہیں یعنی گھریلو کرداروں میں انہیں مدد دی جاتی ہے یا نگہداشت والے کاموں کا بوجھ بانٹ دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کام کرنے والی ماؤں کے لئے موزوں سہولیات سے آراستہ نرسریاں یا ڈے کیئر سنٹر بنے ہوئے ہیں تاکہ انہیں کام اور گھریلو زندگی میں توازن برقرار رکھنے میں مدد دی جا سکے۔ لہٰذا ریاست کو نگہداشت والے کاموں کا بوجھ بانٹنا چاہئے تاکہ ملک کی ترقی پر ہونے والی بحث و عمل میں خواتین فعال طریقے سے حصہ لے سکیں۔

# انٹرویو

## ڈاکٹر مبینہ اگبوتوالہ

چیف پیڈیاٹریشن، ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ، سندھ گورنمنٹ ہسپتال
چیئرپرسن، ہوپ فاؤنڈیشن
اسسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف کمیونٹی ہیلتھ سائنسز، آغا خان یونیورسٹی ہسپتال

**خواتین کے لئے مواقع، انتخاب اور استعداد کے اعتبار سے خاطرخواہ بہتری کے باوجود خواتین کے صنفی ترقی انڈکس (جی ڈی آئی) پر پاکستان کا شمار آج بھی دنیا میں سب سے پیچھے رہ جانے والے ملکوں میں ہوتا ہے۔ اس پر قابو پانے کے لئے کن ڈھانچہ جاتی تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟**

سالہا سال کے عمل سے خواتین کے لئے دستیاب مواقع اور انتخاب کے حوالے سے یقیناً بہتری آئی ہے۔ تاہم زمینی صورتحال کے بغور جائزہ سے ایک مختلف تصویر سامنے آتی ہے۔ اسے شہری اور دیہی نقطہ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بنیادی حقائق سے ہی شروع کر لیتے ہیں، دیہی علاقوں میں لڑکیوں کے سکول داخلے کی شرح انتہائی کم ہے۔ مجموعی طور پر پاکستان میں 55 فیصد لڑکیاں سکول سے باہر ہیں۔ پانچویں جماعت کے بعد لڑکیوں میں سکول چھوڑ جانے کا رجحان عام سی بات ہے کیونکہ سیکنڈری سکول بہت دور رسائی سے باہر ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ لڑکیاں ہائی سکول کی تعلیم بھی مکمل نہیں کر پاتیں۔ پوری ایک دہائی پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کی سب لڑکیاں تعلیم حاصل نہ کر پائیں اور خواتین کی کسی ترقیاتی فورس کا حصہ نہ بن سکیں۔ مہارتوں کی ترقی کے مراکز خواتین کو ایسی مہارتوں کے حصول میں مدد دے سکتے ہیں جن سے انہیں معاشی طور پر بااختیار بنانے کے عمل کو تقویت ملے۔ یہ پیشہ ورانہ مہارتیں زیادہ تر روایتی نوعیت کی ہوتی ہیں اور خواتین کو کوئی ایسی واضح مہارتیں فراہم نہیں کرتیں جن کی بدولت وہ آمدنی کما سکیں یا اپنا کاروبار کر سکیں۔ یہاں تک کہ شہری علاقوں میں بھی خواتین کی افرادی قوت میں اضافہ ضرور ہوا ہے لیکن یہ زیادہ تر معاشرے کے بالائی طبقے میں ہوا ہے۔ پھر بھی صرف 18 فیصد خواتین پیشہ ورانہ افرادی قوت کا حصہ ہیں۔ خواتین میں استعداد واقعی ہے اور اسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے لیکن ان کے ساتھ کے مردوں سے درپیش خدشات پر مبنی رویوں کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ تبدیلی اگر کوئی لا سکتا ہے تو وہ متوسط طبقہ ہی ہے۔ لیکن متوسط طبقے کو ہر طرح کے روزگار کے مواقع نہیں ملتے، انہیں ناسازگار ماحول کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر معاوضہ کے ڈھانچے میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ خواتین پیشہ ورانہ ماہرین کو اس طرح سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا جس طرح مردوں کو لیا جاتا ہے۔

**آپ کی رائے میں کیا موجودہ پالیسیاں اور قومی فریم ورک خواتین کو خاطرخواہ حد تک بااختیار بنانے کا کام دیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان پالیسیوں پر عملدرآمد میں کون سی رکاوٹیں درپیش ہیں اور اگر نہیں تو کن اقدامات کی ضرورت ہے؟**

میں یہ کہنا چاہوں گی کہ کاغذ کی حد تک پالیسیاں اور کمیشن شاید خواتین کو بااختیار بنانے کا کام دے رہے ہیں۔ تاہم عملدرآمد کے میدان میں ہم بہت پیچھے ہیں۔ جاگیردارانہ اور پدرشاہی ذہنیت آج بھی عملدرآمد میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ لہٰذا بیوروکریسی کی رکاوٹیں اور سرخ فیتے کی سوچ عملدرآمد میں تاخیر کا باعث بنتے ہیں۔ پالیسیوں اور قائمہ کمیٹیوں کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے میں کئی سال لگ جاتے ہیں پھر بھی پوری طرح عملدرآمد نہیں ہو پاتا۔ نیم دلی سے کی جانے والی کوششیں جو سچے جذبے سے نہ کی جائیں، وہ کبھی مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر پاتیں۔ ترقی کو مردوں کا شعبہ سمجھا جاتا ہے جس میں حالت یہ ہے کہ خواتین کی ترقی سے متعلق فیصلے اور پالیسیاں بھی مرد ہی بناتے ہیں جن میں خواتین سے کوئی مشاورت نہیں کی جاتی۔ ظاہر ہے پدرشاہی رویوں میں تبدیلی لانے میں وقت لگے گا لیکن ایک کام یقیناً کرنا ضروری ہے کہ "تیسرے فریق" کے ذریعے نگرانی یا احتساب کا کوئی ادارہ ہونا چاہئے جو اس بات پر نظر رکھے کہ اقدامات پر طے شدہ مدت کے اندر عملدرآمد ہو رہا ہے، عملدرآمد صحیح معنوں میں ہو رہا ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ اشاریوں کے معیار اور مقدار پر مبنی اثرات سمیت صحیح اعداد و شمار کے ذریعے اشاریوں کی پیمائش کی جائے اور پھر ان کی بنیاد پر ضمنی اقدامات کئے جائیں۔ محض باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

**قانون ساز اداروں (پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں) میں جہاں خواتین کی نمائندگی خاطرخواہ حد تک بہتر ہوئی ہے وہیں طرزحکمرانی کے دیگر اداروں مثلاً عدلیہ، پولیس اور سول سروس وغیرہ میں وہ آج بھی نمائندگی کی کمی کا شکار ہیں۔ آپ کی رائے میں اس تضاد کا سبب کیا ہے اور اس سلسلے میں کن اقدامات کی ضرورت ہے؟**

اگرچہ قانون ساز اسمبلیوں میں مخصوص نشستوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے پھر بھی ان میں سے کئی خواتین کسی نہ کسی طریقے سے سیاسی، بااثر اور جاگیردارانہ نظاموں سے جڑی ہیں۔ ان میں بھی کچھ بے باک خواتین ہیں لیکن بحیثیت مجموعی وہ ایک خاموش کردار نبھا رہی ہیں۔ یقیناً وہ معاشی ترقی میں خواتین کے بہتر کردار کی پالیسیوں کی تشکیل، عملدرآمد اور نگرانی میں کہیں زیادہ مثبت کردار ادا کر سکتی ہیں۔ طرزحکمرانی کے دیگر اداروں مثلاً عدلیہ، پولیس وغیرہ میں آہستہ آہستہ تبدیلی آ رہی ہے۔ ان حیثیتوں میں خواتین کو آہستہ آہستہ قبول کیا جا رہا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اپنی جگہ بنا رہی ہیں۔ اب آپ کو خواتین جوڈیشل مجسٹریٹ بھی مل جاتی ہیں لیکن ہائی کورٹ کی خواتین ججوں کی تعداد ابھی بھی بہت کم ہے۔ اسی طرح پولیس فورس کے نچلے کیڈرز میں تو خواتین ہیں لیکن ڈی آئی جی کی سطح پر شاذونادر ہی نظر آتی ہیں۔ سول سروس میں ایک شاندار رجحان دیکھنے میں آ رہا ہے جہاں کئی خواتین سینئر ڈی ایم جی افسران کے عہدوں پر فائز ہیں۔ ٹیکنالوجی کے میدان میں اور اساتذہ کے روایتی کرداروں میں بھی خواتین موجود ہیں۔ تاہم فیصلہ ساز عہدوں پر، بہت کم خواتین دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہاں تک کہ نجی شعبے میں جہاں خواتین کی نمائندگی کہیں زیادہ ہے اور وہ سینئر عہدوں پر بھی کام کر رہی ہیں پھر بھی یہ تناسب مطلوبہ حد سے کم ہے۔ دیہی اور شہری کوٹہ نظام کی طرز پر سرکاری اور نجی شعبے کی ملازمتوں کا ایک خاص فیصد تناسب خواتین کے لئے مخصوص کرنے سے بھی مدد مل سکتی ہے۔

**پاکستان میں ایک طرف معاشیات، سیاسیات اور قانون اور دوسری جانب ثقافت، پدرشاہی نظام اور مذہب کا آپس کا میل جول ایسی منفرد مشکلات پیدا کر دیتا ہے جن کے ہاتھوں اس راہ پر قدم رکھنا کانٹوں پر چلنے کے مترادف ہو جاتا ہے۔ آپس میں جڑے ان محرکین کو کس طرح پہلو بہ پہلو رکھا جائے کہ خواتین کے ساتھ سلوک کے اعتبار سے ایک یکساں سوچ سامنے آ سکے؟**

بدقسمتی سے ثقافت، پدرشاہی رویوں اور مذہب کے غلط استعمال نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جو صنفی برابری کے فروغ کے لئے ناسازگار ہے۔ یہ واقعی بہت پیچیدہ اور حساس راستہ ہے جس پر قدم بڑھانا کافی دشوار ہے۔ اور اس چیلنج پر پورا اترنے کے لئے والدین، اساتذہ، قانون ساز ارکان، کونسلروں، عدلیہ اور سیاست دانوں سمیت

## مکرر ارشاد

"... محض ملازمتوں کی نہیں بلکہ اصل میں خواتین کی انٹرپرینیورشپ کی حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت ہے۔"

معاشرے کے تمام طبقات کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا جس سے خواتین کا مثبت کردار اجاگر ہو اور لڑکوں کو کم عمری سے ہی یہ باتیں سکھائی جائیں۔ لڑکے جب اپنے اردگرد پدرشاہی رویئے دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ گھر والے بہن کے مقابلے میں اس کے ساتھ ترجیحی سلوک کر رہے ہیں تو بڑے ہو کر وہ احساس برتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر خود بھی اس پدرشاہی نظام کا حصہ بن جاتے ہیں۔ بعض مذہبی رہنماؤں کی طرف سے مذہب کی غلط تشریح جلتی پر تیل کا کام دیتی ہے۔ میڈیا کے بڑے ادارے اور سوشل میڈیا کو بھی کہیں زیادہ ذمہ دارانہ کردار ادا کرنا ہوگا۔ لوگ مختلف رجحانات کے بارے میں جاننے کے لئے میڈیا کا رخ کرتے ہیں۔ خواتین کو عام طور پر یا تو مظلوم اور کم حیثیت فرد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے یا پھر جدید اور بے باک سوچ کی حامل جن کے کردار کو ہلکا سا منفی رنگ دے دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں خواتین میں ایسے مثالی کرداروں کی ضرورت ہے جو معاشرے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہ مثالی کردار گلیمر اور چکاچوند والے نہ ہوں بلکہ معاشرے میں سنجیدہ کردار ادا کرنے والی خواتین ہوں۔ معاشرے میں مثبت اور سنجیدہ کردار ادا کرنے والی خواتین کو میڈیا پر کچھ زیادہ نمایاں نہیں کیا جاتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایک کثیر رخی سوچ کے تحت محتاط طریقے سے قدم بڑھایا جائے تو اس سے ہمارے مقاصد کے حصول میں مدد مل سکتی ہے۔

**پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد میں صنفی پہلوؤں کو معیشت کے تمام شعبوں میں ضم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ کی رائے میں اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر ملکوں میں کون سے ایسے دیرپا عملی ماڈل ملتے ہیں جنہیں پاکستان میں اپنایا جاسکے؟**

جب تک تعلیمی اشاریئے بہتر نہیں ہوتے معیشت میں خواتین کا کردار سامنے نہیں آئے گا۔ مغربی ماڈل ہمارے معاشرے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ سری لنکا، انڈونیشیا، ملائشیا اور کئی افریقی ممالک کا ماحول ہمارے جیسا ہے لیکن دانشورانہ اور ثقافتی اعتبار سے وہ ہم سے کہیں آگے ہیں۔ ان میں سے کئی ممالک کی مذہبی اقدار بھی ہمارے جیسی ہیں لیکن ان کا نقطہ نظر زیادہ دور اندیشی پر مبنی ہے۔ خواتین کو زیادہ تر روایتی کام دیئے جاتے ہیں، کارخانوں میں مزدور کے طور پر یا روایتی مہارتیں سکھانے والے کردار یا پھر زراعت میں کام کرنے والے کردار۔ بعض شعبوں خاص طور پر ٹیکنالوجی اور اپنا کاروبار یا 'انٹرپرینیورشپ' کو مردوں کے 'شعبے' سمجھا جاتا ہے۔ یوگنڈا میں بی آر اے سی، این جی او کی طرف سے بالغ افراد کے لئے روزگار اور معاش کا پروگرام 'ای ایل اے' متعارف کرایا گیا ہے جس میں خواتین کے لئے خود روزگار کے مواقع پر زور دیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ تر پیشہ ورانہ اور زندگی کی مہارتوں کی تربیت پر کام کیا جارہا ہے۔ کئی دیگر ترقی پذیر ممالک بھی لڑکیوں کے سکول داخلے میں اضافہ پر زور دے رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سپیشلائزڈ مہارتوں کی ترقی کے ایسے ماڈلز سامنے لائے جائیں جو معاشی خود انحصاری کی راہ ہموار کریں۔ محض ملازمتوں کی نہیں بلکہ اصل میں خواتین کی انٹرپرینیورشپ کی حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت ہے۔

# انٹرویو

## شاد بیگم

ایگزیکٹو ڈائریکٹر

ایسوسی ایشن فار بیہیویئر اینڈ نالج ٹرانسفارمیشن (اے کے بی ٹی)

### مکرر ارشاد

”... خواتین کی زندگیوں میں حقیقی تبدیلی لانے کے لئے انہیں معاشی اور سیاسی لحاظ سے بااختیار بنانا انتہائی اہم ہے تاکہ صنفی کرداروں میں تبدیلی آئے اور انہیں ایک قابل احترام سماجی حیثیت نصیب ہو اور قائدانہ کرداروں میں ان کی موجودگی سے انہیں اہمیت و افادیت ملے۔“

**خواتین کے لئے مواقع، انتخاب اور استعداد کے اعتبار سے خاطرخواہ بہتری کے باوجود خواتین کے صنفی ترقی انڈکس (جی ڈی آئی) پر پاکستان کا شمار آج بھی دنیا میں سب سے پیچھے رہ جانے والے ملکوں میں ہوتا ہے۔ اس پر قابو پانے کے لئے کن ڈھانچہ جاتی تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟**

پاکستان بھر کی خواتین کی ضروریات اور مسائل کے ساتھ موازنہ کریں تو میں نہیں سمجھتی کہ خواتین کے لئے مواقع اور انتخاب میں ان کے مطابق خاطرخواہ بہتری آئی ہے۔ اگرچہ کچھ پروگرام اور اقدامات شروع کئے گئے ہیں لیکن دیہی اور دورافتادہ علاقوں کی خواتین ان پروگراموں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتیں۔ خواتین کے صنفی ترقی انڈکس پر پیشرفت اور بہتری یقینی بنانے کے لئے درج ذیل ڈھانچہ جاتی تبدیلیاں تجویز کی جاسکتی ہیں:

- خواتین کو بااختیار بنانے کے پروگراموں کی تشکیل اور ان پر عملدرآمد میں خواتین کی اصل ضروریات پر توجہ مرکوز کرنے کی جائے۔
- خواتین کو بااختیار بنانے کے اقدامات طویل مدتی اور سٹریٹجک نوعیت کے ہونے چاہئیں۔
- پاکستان کی خواتین متعدد مسائل کا شکار ہیں اور ان کی کئی ضروریات ہیں۔ تاہم زیادہ سے زیادہ اثر دکھانے کے لئے ان شعبوں پر زور دینے کی ضرورت ہے جو خواتین کو ترقی کے مرکزی دھارے میں لانے میں مدد دے سکیں۔ یہاں میں سمجھتی ہوں کہ معاشی طور پر بااختیار بنانا خواتین کی ترقی کے لئے سب سے اہم ہے۔ لہٰذا، اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ روزگار کے مواقع پیدا کئے جائیں، نقل وحرکت کی خدمات فراہم کی جائیں اور تکنیکی، تجارتی، کاروبار کی ترقی، انفارمیشن ٹیکنالوجی، مارکیٹنگ اور پروموشن کی مہارتوں جیسے شعبوں میں تربیت دی جائے۔

**آپ کی رائے میں کیا موجودہ پالیسیاں اور قومی فریم ورک خواتین کو خاطرخواہ حد تک بااختیار بنانے کا کام دیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان پالیسیوں پر عملدرآمد میں کون سی رکاوٹیں درپیش ہیں اور اگر نہیں تو کن اقدامات کی ضرورت ہے؟**

ملک میں خواتین کو درپیش مسائل اور ان کے حقوق کی صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں یہ کہوں گی کہ مزید قانون سازی ہونی چاہئے۔ مزید برآں، عوام بالخصوص خواتین میں مروجہ قوانین، پالیسیوں اور فریم ورکس کے بارے میں آگاہی کی کمی بذات خود ان قوانین کو بہترین حد تک کارآمد بنانے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ عوام بالخصوص خواتین میں ان کی آبائی زبانوں میں قوانین اور پالیسیوں سے متعلق شعور و آگاہی پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اس میں ملک بھر کی خواتین کی بلند شرح ناخواندگی کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ پھر عملدرآمد کا مرحلہ آجاتا ہے جسے ہمیشہ نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ عملدرآمد پر مناسب توجہ اور اس عملدرآمد میں مدد دینے والے متعلقہ اداروں کو خاطرخواہ وسائل کی تخصیص وہ عناصر ہیں جو ہمارے ہاں دیکھنے کو نہیں ملتے۔

**قانون ساز اداروں (پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں) میں جہاں خواتین کی نمائندگی خاطرخواہ حد تک بہتر ہوئی ہے وہیں طرز حکمرانی کے دیگر اداروں مثلاً عدلیہ، پولیس اور سول سروس وغیرہ میں وہ آج بھی نمائندگی کی کمی کا شکار ہیں۔ آپ کی رائے میں اس تضاد کا سبب کیا ہے اور اس سلسلے میں کن اقدامات کی ضرورت ہے؟**

خواتین کی نمائندگی میں شاید بہتری آئی ہو لیکن یہ بہتری تعداد کے اعتبار سے ہے، معیار کے لحاظ سے نہیں۔ ان اداروں میں خواتین کو آج بھی فیصلے کرنے کا اختیار نہیں دیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ منصوبہ سازی اور پروگرام سازی کا زیادہ تر کام مردارکان کے ہاتھ میں رہتا ہے جن کی تعداد زیادہ ہے۔ اور خواتین سے متعلق پروگراموں کی بات آتی ہے تو مرد اور ہمارے زیادہ تر ادارے ہمیشہ خواتین سے متعلق اقدامات کی توثیق ثقافت اور مذہب کے تحت کرتے ہیں۔ وقت کی ضرورت اور خواتین سے متعلق اقدامات کے لئے درکار مساعی کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام اداروں میں خواتین کو فیصلہ سازی کا پورا حق دینا ہوگا۔ دوسرا، صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ منصوبہ سازی اور بجٹ سازی کو ہر ادارے اور پروگرام میں لازمی قرار دیا جائے تاکہ صنفی خلاء کو دور کیا جاسکے۔

**پاکستان میں ایک طرف معاشیات، سیاسیات اور قانون اور دوسری جانب ثقافت، پدرشاہی نظام اور مذہب کا آپس کا میل جول ایسی منفرد مشکلات پیدا کردیتا ہے جن کے ہاتھوں اس راہ پر قدم رکھنا کانٹوں پر چلنے کے مترادف ہو جاتا ہے۔ آپس میں جڑے ان محرکین کو کس طرح پہلو بہ پہلو رکھا جائے کہ خواتین کے ساتھ سلوک کے اعتبار سے ایک یکساں سوچ سامنے آسکے؟**

خواتین کے ساتھ سلوک کے اعتبار سے یکساں سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے معاملے میں یہ منفرد چیلنج انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ثقافت اور پدرشاہی نظام بنیادی رکاوٹیں ہیں اور اس پدرشاہی نظام اور ثقافت کی مدد کے لئے مذہب کی غلط تشریح کرلی گئی ہے جس میں خواتین کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں اور اشیائے ضروریہ والا سلوک کیا جاتا ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے سرگرم اداروں کو ایسی کاوشوں پر کام کرنا چاہئے جو صنفی کرداروں اور اختیارات میں تبدیلی لا کر خواتین کو صحیح معنوں میں بااختیار بنا سکیں۔ زیادہ تر اقدامات کا ہدف فیصلہ سازی اور ان مقتدر محرکین کو بدلنا نہیں ہے جو ہمارے معاشرے میں صنفی کرداروں پر مبنی ہیں۔ خواتین کی زندگیوں میں حقیقی تبدیلی لانے کے لئے انہیں معاشی اور سیاسی لحاظ سے بااختیار بنانا انتہائی اہم ہے تاکہ صنفی کرداروں میں تبدیلی آئے اور انہیں ایک قابل احترام سماجی حیثیت نصیب ہو اور قائدانہ کرداروں میں ان کی موجودگی سے انہیں اہمیت و افادیت ملے۔

**پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد میں صنفی پہلوؤں کو معیشت کے تمام شعبوں میں ضم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ کی رائے میں اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر ملکوں میں کون سے ایسے دیرپا عملی ماڈل ملتے ہیں جنہیں پاکستان میں اپنایا جاسکے؟**

سماجی و سیاسی بے یقینی کے باعث اداروں کو جمہوری رنگ میں ڈھالنے کے لئے ہمارے ملک کو ابھی ایک طویل سفر طے کرنا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے تجزیہ کیا جائے اور پھر اس کی روشنی میں حکمت عملی وضع کی جائے جس میں ہمارے محرکین اور حقائق کو پیش نظر رکھا جائے۔ پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کے حصول میں ایک بڑا چیلنج یہ ہے کہ کئی ادارے محض بنیادی باتوں سے تو آگاہ ہیں لیکن ان مقاصد کو پوری طرح سمجھنے کے معاملے میں ایک بہت بڑا خلاء پایا جاتا ہے۔ اس پر قابو پا کر ہی عملدرآمد اور سوچ کو اس کے مطابق ڈھالنے کا کام کیا جاسکتا ہے اور اسی کی روشنی میں اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔

# خواتین کی آواز

آپ دنیا میں ہر جگہ اپنے
بنیادی حقوق استعمال کر سکیں۔

**شاہدہ فاروقی**
وکیل

آپ اس قابل ہوں کہ جب
چاہیں، جہاں چاہیں، جس طرح چاہیں،
اپنے دل کی بات کہہ سکیں۔

**ایمن علی**
طالبہ

یہ منوانا کہ
میں بھی اتنی ہی باصلاحیت
ہوں جتنے آپ ہیں، میں بھی اپنی جگہ اسی طرح
ثابت قدم ہوں جس طرح آپ ہیں، میں بھی اتنی ہی
انجینئر ہوں جتنے آپ ہیں۔ مجھے آزما کر دیکھیں۔

**رداشاہ**
انجینئر

عورت جس قدر
برداشت اور شفقت کا مظاہرہ
کرتی ہے وہی اسے بااختیار بناتا
ہے۔

**رانیہ مجید**
کارکن انسانی حقوق

میں اپنے فیصلے خود کر سکوں،
اپنی راہیں خود منتخب کر سکوں۔

**حنا طارق**
ہوم میکر

یہ احساس کہ اس ملک
کے مستقبل کے لیڈروں کو تیار کرنا ہم عورتوں
کے ہاتھ میں ہے!

**مریم خورشید**
ٹیچر

آپ جس معاشرے سے ہیں
وہ آپ کو تسلیم کرے اور محض یہی نہیں کہ آپ
"روایتی تعریفوں" پر پورا اتریں۔

**جویریہ اسلم**
تیکوانڈو آرٹسٹ

اس قابل ہو جاؤں کہ
ذہن پڑھ سکوں اور اندر ہی اندر ہنس سکوں
کہ لوگ کتنے اناڑی ہو سکتے ہیں۔

**لائبہ صدیق**
کاگنیٹو سپیشلسٹ

آپ کے بارے میں رائے زنی نہ کی
جائے۔ میں اگر آگ کی مصوری کرتی ہوں تو اس کا
یہ مطلب نہیں کہ میں ہر چیز کو جلا دینا چاہتی ہوں۔

**کائنات منور**
مصورہ

مجھے دقیانوسی باتوں
پر نہ چلنا پڑے۔

**حاجرہ علی**
پی ایچ ڈی سکالر

عورت کی جذباتی، نفسیاتی
اور طبعی قوت جس کا کوئی موازنہ نہیں اور
جس کی کوئی حد نہیں۔

**سعدیہ وسیم**
ڈاکٹر

زندگی کے تمام شعبوں
میں آزادانہ طور پر فیصلے کر سکوں۔

**غازیہ سمیع**
ڈویلپمنٹ پروفیشنل

یہ بات ناگوار گزرتی ہے
کہ آپ کے اردگرد ہر شخص آپ کے بارے
میں رائے دینا اپنا حق سمجھتا ہے۔

**جنت جمشید**
طالبہ

جدت کا وہ انوکھا احساس
جس سے عورت روشناس کراتی ہے اور جس
میں جوش اور ہوش دونوں پنہاں ہوتے ہیں۔

**تانیہ شاہ**
کمیونیکیشنز سپیشلسٹ

## آپ کے نزدیک خواتین کی بااختیار حیثیت کا مطلب کیا ہے؟

# ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
# پاکستان